بِسۡمِ

پیغام صلح انٹرنیشنل

ستمبر 2019ء

محرم ۱۴۴۱

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔ واحد جماعت جس کا عقیدہ ہے کہ

حضرت محمد مصطفی (ﷺ) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

قرآن ایک مکمل کتاب ہے جس کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم

حضرت مرزا غلام احمدؒ مُدعی نبوت نہیں مجدد صدچہاردہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ ۲

۲: خطبہ حضرت مولانا محمد علیؒ۔ ۴

۳: لفظ نبی کا استعمال ۷

حضرت مسیح موعود کی ہدایات

- ہم مسلمان فرقہ احمدیہ ہیں۔ ہمارا تعلق کسی اور فرقہ سے نہیں!
- "مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام (تبلیغ کے لئے) پیش کرو گے!"
- کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے پیچھے نماز کسی حالت میں جائز نہیں۔
- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔ جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔
- ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

عالمگیر (ذیلی مرکز)

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

پتہ برائے خط وکتابت

15 Stanley Ave, Wembley, UK HA0 4JQ

www.virtualmosque.co.uk

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

www.virtualmosque.co.uk پر دیگر نشریات

پروگرام واوقات

جمعہ-انگریزی		13:00
درس-بعد از جمعہ انگریزی		13:30
ماہانہ اجلاس-انگریزی-	ہر ماہ پہلی اتوار	15:00
عیدین-انگریزی		11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین-پنجابی	13:00	سکائی چینل نمبر 130

سکائپ

تقاریر اور تبادلہ خیالات-	ہر اتوار	09:00

سکائپ آئی ڈی

Lahori-Ahmadi

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلامِ امام

از حضرت مرزا غلام احمدؒ

مُرتّب: ارشد علوی

خُدا کی ہستی کے پانچ زبردست دلائل

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل۔

اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے۔رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:۵۰) یعنی خُدا وہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدائش بخشی۔ پھر اس شے کو اپنے کمالاتِ مطلوبہ حاصل کرنے کے لئے راہ دکھلادی۔ اب اگر اس آیت کے مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے لے کر تمام بحری اور برّی جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خُدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے۔ پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

دُوسری دلیل

خُدا تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خُدا تعالیٰ کا علّت العلل ہونا قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (النجم:۴۲) یعنی تمام سلسلہ علل و معلومات کا تیرے ربّ پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظرِ تعمیق سے معلوم ہو گا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ میں موجود ہے اور اِسی وجہ سے دُنیا میں طرح طرح کے

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲۔ آنحضرت ﷺ خاتم النبیّین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ :۔ "اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا"، "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی۔"

۳۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

۴۔ بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء

۵۔ ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلسُنت کے مُسلّمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶۔ ہر ایک شخص جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: "اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

عُلوم پیدا ہوگئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں۔ بعض بعض کے لئے بطورِ اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ عِلّت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری عِلّت کے وجود پر منحصر ہوگا۔ اور پھر یہ دوسری عِلّت کسی اور عِلّت پر، وعلیٰ ہذا القیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جاکر ختم نہ ہو۔ اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر عِلّت پر جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس پر اس تمام کی انتہاء ہے وہی خُدا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ آیت۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (النجم:۴۳) اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ انتہاء تمام سلسلہ کی تیرے رَبّ تک ہے۔

تیسری دلیل

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے۔ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰس:۴۰) یعنی آفتاب چاند کو پکڑ نہیں سکتا اور نہ رات جو مظہر ماہتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلّط کر سکتی ہے۔ یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدودِ مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ اگر ان کا کوئی درپردہ مدبّر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ یہ دلیل ہیئت پر غور کرنے والوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ہے کیونکہ اجرامِ فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور بے شمار گولے ہیں جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دُنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ کیسی قدرت حق ہے کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے اور نہ اتنی مدت تک کام دینے سے کچھ گھسے اور نہ ان کی کلوں پُرزوں میں کچھ فرق آیا۔ اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ انہیں حکمتوں کی طرف اشارہ کرکے خُدا تعالیٰ دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (ابراہیم:۱۰) یعنی کیا خُدا کے وجود میں شک ہو سکتا ہے جس نے ایسے آسمان اور ایسی زمین بنائی۔

چوتھی دلیل

پھر ایک اور لطیف دلیل اپنی ہستی پر فرماتا ہے اور وہ یہ ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ۚۖ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ۚ (الرحمٰن:۲۷،۲۶) یعنی ہر ایک چیز معرض زوال میں ہے اور جو باقی رہنے والا ہے۔ وہ خُدا ہے جو جلال والا ہے اور بزرگی والا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ ایسا ہو کہ زمین ذرّہ ذرّہ ہو جائے اور اجرامِ فلکی بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ان پر معدُوم کرنے والی ایک ایسی ہوا چلے جو تمام نشان ان چیزوں کے مٹا دے۔ مگر پھر بھی عقل اس بات کو مانتی اور قبول کرتی ہے۔ بلکہ صحیح کانشنس اس کو ضروری سمجھتا ہے کہ اس تمام نیستی کے بعد بھی ایک چیز باقی رہ جائے جس پر فنا طاری نہ ہو اور تبدّل اور تغیّر کو قبول نہ کرے اور اپنی پہلی حالت پر باقی رہے۔ پس وہ وہی خُدا ہے جو تمام فانی صورتوں کو ظہور میں لایا

پانچویں دلیل

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر قرآن شریف میں پیش کرتا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰي ۛ (الاعراف:۱۷۳) یعنی مَیں نے رُوحوں کو کہا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس آیت میں خُدا تعالیٰ قصہ کے رنگ میں رُوحوں کی اس خاصیت کو بیان فرماتا ہے جو ان کی فطرت میں اُس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی رُوح فطرت کی رُو سے خُدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی۔ صرف منکروں کو اپنے خیال میں دلیل نہ ملنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہر ایک حادث کے واسطے ضرور ایک محدِث ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں۔ کہ اگر مثلاً بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ درپردہ اس بیماری کے ظہور کی کوئی عِلّت نہیں۔ اگر یہ سلسلہ دُنیا کا علل اور معلول سے مربوط نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی آئے گی یا خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار مر جائے گا یا فلاں وقت تک ایک بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائے گی۔ یہ تمام باتیں غیر ممکن ہو جاتیں۔ پس ایسا محقق اگرچہ خُدا کے وجود کا اِقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اس نے اِقرار کر ہی دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلومات کے لئے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا اِقرار ہے اگرچہ کامل اقرار نہیں۔ ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر وجود باری تعالیٰ کو ایسے طور سے بے ہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات سے بالکل الگ ہو کر اور تمام ارادوں سے معطّل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں ہو جائے تو وہ اس صورت میں خُدا کے وجود کا اقرار کرے گا۔ انکار نہیں کرے گا۔ جیسا کہ اس پر بڑے بڑے مُجرّبین کا تجربہ شاہد ہے۔ سو ایسی حالت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اِقرار بھرا ہوا ہے۔ (فہرست مضامین)

خُطبہ حضرت مولانا محمد علیؒ

صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کے متعلق فرانسیسی مورخ اور گاندھی جی کا اعتراف

محبوب الٰہی بننے کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کو خُدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ضرورت۔ تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولاناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۳:۳۱)

ترجمہ: ''کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب انسانی میں فطرتاً موجود ہے۔ خود فرمایا ہے کہ میری ہستی کا نقش انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (۷:۱۷۲) یہ دراصل فطرت انسانی کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس کے علاوہ انسان کو جو عقل دی ہے، غور و فکر کی قوت دی ہے، اس سے بھی انسان کچھ نہ کچھ اپنے مالک کو پہچانتا اور ایک حد تک اس کے دل پر اس کی ہستی کا ضرور نقش ہوتا ہے۔ اس کا خیال ضرور اس طرف جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کس قدر احسانات مجھ پر ہیں! اور واقعی بات یہ ہے کہ جب کسی کے احسانات کا شعور انسان میں ہو تو اس سے محبت بھی ہو جاتی ہے۔

محبوب الٰہی کا بلند مقام کس طرح حاصل ہو سکتا ہے: اسی لئے فرمایا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ محبت الٰہی تو فطرتاً تمہارے قلب میں موجود ہے اور تمہاری عقل بھی ہدایت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہئے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اب یہ ایک بڑا بلند مقام ہے۔ جس کی طرف وحی الٰہی نے ہدایت کی ہے۔ یعنی وہ چیز کہ اللہ سے انسان کو محبت ہے عام ہے لیکن یہ چیز جس کی طرف وحی الٰہی اور خدا تعالیٰ کی کامل وحی قرآن نے ہدایت کی ہے یعنی يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اللہ کا محبوب بننا یہ بڑا بلند مقام ہے۔ کبھی انسان سوچے، خُدا کا محبوب بن جانا کتنا بڑا کام ہے! ایک عاجز انسان کے دل میں کسی کی محبت ہو جائے تو وہ کتنی قدر کرتا ہے۔ مگر وہ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ جو خالق و مالک ہے جس کے سامنے انسان ایک ذرہ بے مقدار ہے وہ فرماتا ہے کہ دیکھو میں ایک طریق تمہیں بتاتا ہوں، جس سے تم میرے محبوب بن جاؤ گے، تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، اس کی کامل اتباع کرو، میں تمہیں اپنا محبوب بنالوں گا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کیا چیز ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی کہ انسان دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگلوں میں جا بیٹھے، دنیاوی تعلقات اور رشتوں سے قطع تعلق کر لے، مال نہ کمائے، بلکہ ایسا سادہ راستہ آپ نے بتایا کہ وہی لوگ جو دنیا کی تجارتیں کرتے، مال و دولت کماتے، بیوی بچوں اور عزیز رشتہ داروں سے پورے تعلقات رکھتے تھے، ان کو ایسے مقام پر کھڑا کر دیا کہ یہ سارے دنیاوی کام کرتے ہوئے بھی وہ خُدا کے محبوب بن گئے۔

خُدا کا کسی سے محبت کرنا کس طرح معلوم ہو: کس طرح معلوم ہو کہ خُدا کسی سے محبت کرتا ہے یا کوئی شخص خُدا کا محبوب ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو فرشتوں کے ذریعہ سے اس کی محبت دنیا میں پھیلا دیتا ہے۔ پھر دنیا اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ جس سے خُدا محبت کرتا ہے وہ دنیا کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔

رسول اللہ اور آپؐ کے ساتھیوں کا اثر: واقعات تاریخی کو دیکھ لیجئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بڑا بلند مقام ہے۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو آپ کی اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ ان کی محبت بھی آج تک اس قدر عام ہے کہ جب لوگ ان کے حالات کو پڑھتے ہیں تو ان کا سر جھک جاتا ہے کہ کس قدر پاک باز اور دلوں کو فتح کرنے والے یہ لوگ تھے!

ایک فرانسیسی مؤرخ کا اعتراف: ایک فرانسیسی مؤرخ ہے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائف فرانسیسی زبان میں لکھی ہے۔ انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:

''ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اگر ہم تاریخ میں ان واقعات کو تلاش کریں جو انسان کے دل پر سب سے بڑھ کر زندہ اثر ڈال سکتے ہیں یا بجائے خود حیرت انگیز ہیں تو یہ واقعات ہمیں پہلے مسلمانوں کی زندگیوں میں ہی مل سکتے ہیں۔ خواہ ہم خود اس بڑے سردار کی زندگی کو لیں (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور خواہ اس کے ساتھیوں کی زندگیوں کو لیں جو دنیا کی ممتاز ترین شخصیتیں نظر آتی ہیں اور خواہ ہم ان متفرق ممالک کے حالات دیکھیں جو آپ نے فتح کئے اور خواہ ہم اس بلند

ہمتی، نیکی اور ان پاک جذبات کو دیکھیں جو آپ کے جرنیلوں اور سپاہیوں میں یکساں پائے جاتے ہیں۔"

تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تو ایک دُنیا کو اعتراف ہے۔ مگر فی الحقیقت آپؐ کے صحابہ بھی دنیا کی ممتاز ترین شخصیتیں ہیں۔

گاندھی جی کا اعتراف حق: کسی زمانہ میں جب میں نے ارلی کیلیفیٹ (تاریخ خلافت راشدہؓ) لکھی تھی۔ تو اس کا ایک نسخہ گاندھی جی کو بھی بھیجا گیا تھا۔ اس وقت سوراج وغیرہ تو ابھی کہاں ملا تھا؟ اس کے لئے جدوجہد ہی کی جا رہی تھی۔ تو گاندھی جی نے اس وقت اس کتاب کو پڑھ کر کسی اخبار میں لکھا تھا کہ اگر سوراج مل جائے تو ہم لوگوں کو ابو بکرؓ اور عمرؓ کا نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔ بہت بڑا اعتراف ہے ان کی نیکی اور حکمرانی کی اہلیت کا! حکمرانوں اور بادشاہوں کی زندگیاں اس قابل نہیں ہوتیں کہ لوگ ان کے نمونہ پر چلیں۔ حکومت اور بادشاہت کے ساتھ عموماً برائیاں بہت زیادہ آجاتی ہیں۔

خلفاء راشدین کی حکمرانی: کون دوسرا بادشاہ ہے جس کی پیروی کی خواہش کی جاسکے۔ اگر معائب سے پاک اور پیروی کے قابل کوئی بادشاہ ہیں تو وہ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ ہیں۔ جو خلافت راشدہ کے منصب پر فائز تھے۔ وہ فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے کہ ان لوگوں نے ملکوں کو نیکی اور پاکیزگی سے بھر دیا۔ ان کے سپاہیوں اور ان کے جرنیلوں کو اگر دیکھیں اور ان کی نیک کرداری پر غور کریں تو اس اعتراف کے ساتھ سر جھکانا پڑتا ہے کہ یہ لوگ فی الحقیقت پیروی کے قابل ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محبوب خدا بن گئے: فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ جو فرمایا تو اس کو بغیر شہادت نہیں چھوڑا۔ مسلمانوں سے بھی اس کی شہادت دلائی اور غیر مسلموں سے بھی دلائی۔ اور ثابت کر دیا کہ یہ لوگ فی الحقیقت خُدا کے محبوب بن گئے۔

موجودہ زمانہ میں اتباع رسولؐ سے تغافل: آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں اتباع کا رنگ مسلمانوں میں نظر نہیں آتا۔ اتنا ہی ہے کہ میں نے وعظ کر لیا اور آپ نے سُن لیا۔ مگر جہاں تک عمل کا تعلق ہے، دونوں کے دونوں کورے ہیں، ہم ان باتوں کو سن کر واہ واہ کر لیں گے لیکن دلوں کے اندر محبت الٰہی کا بیج نہیں پڑتا۔ وعظ کرنے والے وعظ کر لیتے ہیں، کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں، اخبارات اور ریڈیو پر بھی وعظ و نصیحت ہوتی ہے، لیکن عمل کی قوت پیدا نہیں ہوتی۔

صحابہؓ میں اتباع رسولؐ کی قوت: وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ ادھر آپؐ کے منہ سے ایک بات نکلتی تھی اُدھر ساری قوم کے عمل میں منتقل ہو جاتی تھی۔ مثال کے طور پر بتاتا ہوں کہ صحابہؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کتنی قوت تھی! ایک درخت تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت لی تھی۔ جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں بھی ہے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (۱۸:۴۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔ اس خیال سے کہ کہیں لوگ اس درخت کو مقدس سمجھ کر اس کی پوجا شروع نہ کر دیں۔ یہ اتباع تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، بالکل آپ کے مسلک کی صحیح پیروی تھی۔ توحید کے بلند جذبہ کا یہ نتیجہ تھا۔ ایک صحابی تھے عبد اللہ بن عمر۔ وہ اس بات کی ٹوہ میں رہتے تھے کہ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کہاں ٹھہرے؟ کہاں آپ نے نماز پڑھی؟ کہاں بیٹھے، یہ بھی اتباع ہی کا ایک جذبہ تھا۔ اور صحابہ کا سب سے بڑھ کر کمال یہ تھا کہ جو بات بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا آپ کے متعلق معلوم ہوئی اس کو فوراً لے کر اپنی زندگی کا جزو بنالیا، ان کے دلوں میں محبت الٰہی کی ایسی مشعل روشن تھی کہ کسی حکم کے سامنے کسی رسم و رواج کو چھوڑنا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ جب کوئی حکم آیا اور صدیوں کی کوئی رسم تھی اس کو چھوڑنا پڑا تو ایسا اس کو ترک کیا کہ کبھی زندگی میں تھی ہی نہیں۔ یہ تھا ان کا محبت الٰہی کا جذبہ اور سچی بات یہ ہے کہ جب تک انسان اپنی محبت کے جذبہ کو کمال تک نہیں پہنچاتا، قوت عمل اس کے اندر پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ اتباع رسول کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ خدا کا محبوب بھی نہیں بن سکتا۔ ان لوگوں نے محبت الٰہی کے جذبہ کو کمال تک پہنچایا اور آج تمام دنیا ان کو عزت اور محبت کی نظروں سے دیکھتی ہے۔ جو ان کے محبوب الٰہی ہونے کا کھلا نشان ہے۔

محبت الٰہی کا نظارہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں: کچھ نہ کچھ اس کا نظارہ ہم نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی دیکھا۔ علم تو دوسری چیز ہے جو آپ

کے ذریعہ سے حاصل ہوا۔ لیکن ایک بات جو آپ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی تھی، وہ محبت الٰہی کا جذبہ تھا۔ یاد رکھئے کہ جتنے کام دنیا میں ہوتے ہیں وہ محبت الٰہی کے جذبہ سے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (۲:۱۶۵) جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ سے سخت ترین محبت رکھتے ہیں۔ وہ سخت ترین محبت کیا ہے؟ وہ عشق کا دوسرا نام ہے، کسی چیز کے عشق میں انسان انجام کو نہیں سوچا کرتا۔ اور وہ کام کر گزرتا ہے جو سوچ بچار سے کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نظارہ اس محبت الٰہی کا ہم نے حضرت مسیح موعود میں دیکھا۔ ابتدا میں جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا بس ایک لگن ان کو لگ گئی۔ اور وہ ہر جگہ تبلیغ ہی کرتے پھرتے تھے۔ کوئی باقاعدہ مبلغ اس وقت نہیں تھا۔ کوئی واعظ لوگوں کے پاس نہیں جاتا تھا۔ اب تو لوگ رونا روتے ہیں کہ ان کے پاس مبلغ نہیں پہنچتے، مبلغ پہنچیں تو تبلیغ ہو، اس وقت کوئی مبلغ نہ تھا یہی جماعت کے لوگ بذات خود مبلغ تھے۔ ایک شخص ڈیرہ غازی خاں میں ہے، تو وہاں وہ تبلیغ کر رہا ہے۔ کوئی پشاور میں ہے تو وہ خود ہی وہاں مبلغ ہے۔ یہی لوگ تھے جو محبت الٰہی کے نشہ میں سرشار تھے۔ اور اتباعِ رسول میں گداز ہو کر يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے مصداق ہو گئے۔ خُدا کے وہ محبوب بن گئے۔

مسیح موعود کے ساتھیوں میں عشق کا جذبہ: میں نے کہا۔ کام کے وقت انسان سوچنے لگ جائے تو رہ جاتا ہے۔ اگر عشق کا جذبہ ہو تو کر گزرتا ہے۔ نہ موت کی اسے پروا ہوتی ہے اور نہ نیند اور آرام کا خیال۔ میں اپنا واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت صاحب کی بیعت کرنے کے بعد میں قریباً اڑھائی سال قادیان سے باہر (لاہور میں) رہا۔ اور اس عرصہ میں کم از کم پچاس مرتبہ بٹالہ سے پیدل قادیان گیا ہوں گا۔ بعض وقت اکیلا بھی گیا۔ بعض وقت کئی کئی آدمی مل کر جاتے تھے۔ رات کا وقت ہے یکہ نہیں ملا پیدل چل پڑتے تھے۔ جب قادیان پہنچے تو کوئی جا کر یہ نہ پوچھتا تھا کہ کوئی روٹی ہے یا نہیں، کسی نے چارپائی کا مطالبہ نہیں کیا، مسجد میں جا کر لیٹ جاتے تھے نہ کوئی تکان محسوس ہوتی تھی نہ تکلیف یہ کیا تھا ایک عشق کا جذبہ تھا۔ جو سب کچھ کرا لیتا تھا۔

امداد مہاجرین کی اپیل کا اثر: اور اب میں ایک اور بات کہتا ہوں۔ آپ لوگ بڑی قوت سے اپنے روپیہ کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ زبردست قبضہ اپنی دولت پر جمایا ہوا ہے کہ کسی طرح اپنے بھائیوں کے کام نہ آجائے۔ اس وقت مجھے حضرت عیسیٰؑ کا فرمان یاد آ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو وعظ کرتے ہوئے کہا کہ ”اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔ جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب ہوتا ہے نہ زنگ۔ اور نہ وہاں پر چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہاں تیرا دل بھی لگا رہے گا (متی ۶:۱۹-۲۲)

قرآن و رسولؐ نے بھی زراندوزی کو مسترد کیا ہے اور انفاق پر بڑا زور دیا ہے میں نے اپیل کی تھی کہ جماعت میں وہ بھی ہیں جو پانچ پانچ دس دس ہزار روپیہ بھی دے سکتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ہزار ہزار اور پانچ پانچ سو دے سکتے ہیں۔ وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔ اور باقی جماعت ایک ایک ماہ کی آمد چھ ماہ میں ادا کرے۔ اس اپیل کا کس قدر اثر ہوا؟ جماعت کے غرباء کے اکثر حصہ نے بیشک اس اپیل پر لبیک کہا ہے۔ چھ ماہ تک تکلیف اُٹھانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ لیکن آسودہ حال طبقہ میں سے اب تک صرف تین آدمی ایسے نکلے ہیں جنہوں نے ایک ایک ہزار روپیہ دیا ہے۔ یہ اگر میں مان بھی لوں کہ یہ میرے کسی عمل یا کوتاہی کا نتیجہ ہے تو بہرحال یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے مسیح موعود کے ہاتھ پر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد کیا تھا، کیا ان کا فرض نہ تھا کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی خبر گیری کے لئے ہاتھ بڑھاتے ؟!

خُدا کے لئے قربانیوں کی ضرورت: بات یہ ہے کہ یہ وقت ہے کود پڑنے کا، کام کرنے کا، اس وقت اپنے آپ کو سنبھال لو، خُدا بڑی قدر کرنے والا ہے۔ جب تین سو تیرہ آدمی بدر کے میدان میں ایک ہزار کے مقابلہ میں آئے اور محض خُدا کے لئے اپنی جانیں پیش کیں اور خُدا نے دیکھ لیا کہ وہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لئے ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور کسی سے ڈرنے والے نہیں، تو خُدا نے ان کی فرشتوں سے مدد کی۔ آج بھی وہی خُدا موجود ہے۔ بیشک مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں۔ توپیں نہیں۔ اور سامان جنگ نہیں۔ لیکن اب بھی خُدا ان کی مدد کرے گا، بشرطیکہ ان کے اندر ایمان ہو، قربانی کا جذبہ ہو۔ اور محض خُدا کے لئے وہ اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ جب وہ بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے، پھر پیچھے ہٹا دیا۔ ان کو کچھ دنیا کا خیال آ گیا اور لوٹ میں لگ گئے۔ تو یہ دنیا کی محبت ہے جس نے نقصان پہنچایا۔ اس لئے میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ یہ وقت ہے کہ کچھ کام کر لو اور دنیا کی محبت کو چھوڑ کر محض خُدا کے لئے قربانیاں کرو۔ میں نے جب اپیل کی تھی تو خیال تھا کہ ایک

لاکھ روپے سے کام چل سکے گا لیکن اب تو ایک لاکھ کی جگہ دس لاکھ بھی تھوڑا نظر آتا ہے۔ خُدا کرے مزید مشکلات پیش نہ آجائیں۔

خُدا کا محبوب بننے کا ذریعہ: مَیں کہتا ہوں یہ بہترین موقعہ ہے خُدا کا محبوب بننے کا، اپنے مالوں کو خُدا کی محبت کی آگ کا ایندھن بنادو۔ اس سے تمہاری دنیا بچ جائے گی۔ مسلمان بچ جائیں گے۔ اسلام بچ جائے گا۔ (پیغام صلح ۳ دسمبر ۱۹۴۷ء)خطبہ ۷ محرم ۱۳۶۷ھ ۲۱ نومبر ۱۹۴۷ء

(فہرست مضامین)

۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء

لفظ ”نبی“ کا استعمال

حضرت مولانا محمد علیؒ

ایک بہت ہی موٹی بات ہے، جس کو اگر ہمارے دوست سمجھ لیں، تو نبوت کے متعلق تمام مباحث ختم ہو جاتے ہیں۔ لغت میں ایک لفظ کے معنے میں وسعت ہوتی ہے۔ اور مذہبی اصطلاح میں اس کے معنے محدود ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ لغت میں دعا ہے اور اس وسیع معنے میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر مذہبی اصلاح میں صلوٰۃ نماز کی وہ صورت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی۔ کافر لغت میں عام ہے۔ اصطلاحی معنے میں مراد خارج از اسلام ہے۔ اور اس کی مثالیں جتنی چاہیں، دے سکتے ہیں۔

اسی طرح لفظ نبی نَبَاَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے خبر ہیں۔ اور لغوی معنے کی رو سے اس شخص پر بھی بولا جا سکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خبر پا کر پیشگوئی کرتا ہے۔ مگر اصطلاح میں اس سے مراد ایسا شخص ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے صراحت سے ثابت ہے کہ بنی آدم کو مخاطب کر کے ایک جگہ فرمایا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (۳۸:۲) اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور دوسری جگہ فرمایا اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (۳۵:۷) اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو میری آیات تم پر پڑھیں، تو جو کوئی تقویٰ کرے اور اصطلاح کرے، ان پر کوئی ڈر نہیں، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

پس اصطلاح مذہبی میں رسالت اور نبوت ہدایت کا لانا ہے۔ اور اصطلاح لغت میں نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی غیب کی خبر پانا ہے۔ گو وہ محض پیشگوئی ہو۔ اس موٹے فرق کو مدِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے اصحاب کو حضرت مسیح موعود کی نبوت کے مسئلہ میں ٹھوکر لگی ہے اور لوگ اسی فرق کو مدِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود پر بھی معترض ہوئے!

جو بات آج مجھے پیش آئی ہے، وہی بات اس سے پیشتر خود حضرت مسیح موعود کو، اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی پیش آچکی ہے۔ یہی لفظ ”نبی“ حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی تحریروں میں اسی لغوی معنے میں استعمال کیا۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اور آپ کو مدعی نبوت قرار دے کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے دعویٰ نبوت سے انکار کیا۔ بلکہ مدعی نبوت کو کافر اور کاذب فرمایا۔ اور اپنا ایمان محکم اس بات پر ظاہر فرمایا کہ نبوت آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر ختم ہے۔

۱۸۹۲ میں جب لاہور میں آپ میں اور مولوی عبد الحکیم صاحب میں بحث ہو رہی تھی، تو مولوی صاحب کی طرف سے جب یہ اعتراض پیش ہوا کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، تو حضرت صاحب کی طرف سے ذیل کی تحریر پہنچی۔ جس کی بنا پر مباحثہ ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ اور یہ تحریر آٹھ معزز اصحاب کے دستخطوں سے اسی وقت شائع ہو گئی۔ میں حضرت صاحب کی اس تحریر کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں ’تمام مسلمانوں کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنے میں نبی ہوتا ہے، یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے، یا یہ کہ محدثیت نبوّت ناقصہ ہے، یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں، بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرتا ہوں۔ کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں، اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں، تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر، بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں۔ جس حالت میں ابتداء سے میری نیّت میں، جس کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہ، خوب جانتا ہے، اس لفظ نبی سے مراد حقیقی نہیں، بلکہ صرف محدّث مراد ہے۔ جس کے معنے آنحضرتؐ نے مکلّم لئے ہیں، یعنی

محدث کی نسبت فرمایا ہے قَدْ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ؟ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں۔ اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں“۔

پھر ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء کو حضرت مسیح موعود نے ایک دوست کو خط لکھا۔ جو اسی تاریخ کے ”الحکم“ میں چھپا ہوا ہے۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں ”حال یہ ہے۔ کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے، جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوّت اور رسالت ہے۔ جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے، اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کے معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے، کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (۴۰:۳۳) اس آیت کا انکار کرنا، یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا، درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گذرتا ہے، جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے، اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے، جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوّتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوّت یہ ہے کہ خدا سے علم پاکر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا۔ سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر، دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں، یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں، یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے“۔

پھر اس مشہور تقریر میں، جو وفات سے صرف نو روز پیشتر آپ نے عمائد لاہور کے سامنے کی۔ اور جو ۲۵ جون ۱۹۰۸ء کے اخبار بدر میں چھپی ہوئی ہے، آپ فرماتے ہیں ”آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر وحی ہوتی رہی۔ پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجدّد پیدا کرنے کا وعدہ ہے۔ یہ الزام کہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں! اور مجھے فکر پڑی ہوئی ہے کہ میں الگ قبلہ بنالوں اور نئی شریعت ایجاد کروں، ان تہمتوں کا جواب بجز لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کیا دوں! میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ چونکہ دین زندہ ہے۔ اس لئے ہر صدی کے سر پر موجودہ مفاسد کے لحاظ سے مصلح پیدا ہوتا ہے۔ جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ جب خدا کسی سے بکثرت ہم کلام ہو، اور اپنی غیب کی باتیں کثرت سے اس پر ظاہر کرے، تو یہ نبوّت ہے۔ مگر یہ حقیقی نبوّت نہیں۔ نَبَأ کا لفظ خود اس پر شاہد ہے۔ تم جسے مکالمہ الٰہیہ کہتے ہو، ہم اسے نبوّت کہہ لیتے ہیں۔ حضرت مجدد سرہندیؒ بھی ایسے مکالمہ کے قائل ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی خدا سے خبر پاکر پیشگوئی کرتا ہے، تو اسے عربی میں نبوت کے سوا اور کیا کہیں گے! تعجب ہے کہ جب وہی بات پنجابی میں کہی جائے تو مانتے ہیں۔ اور جب پنجابی کی بجائے عربی لفظ اختیار کیا جائے تو نہیں مانتے“۔

ایسا ہی ”اخبار عام“ کے نام خط میں، جو وفات سے صرف تین روز پیشتر لکھا ہے، فرماتے ہیں ”میں صرف اسی وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیش گوئی کرنے والا“۔

اب ان چاروں جوابوں پر غور کرو، جن میں سے ایک دعویٰ مسیحیت کے ابتدائی زمانہ کا ایک، درمیانی زمانہ کا اور دو آخری ایام کے ہیں۔ کہ کس صفائی سے یہ بتادیا ہے کہ آپ نے لفظ نبی اپنے لئے صرف اس کے لغوی معنے سے استعمال کیا۔ جس معنے سے ہر ایک محدث اور مجدد نبی کہلاتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ کو یوں صاف کر دیا کہ جہاں آپ نے اپنے آپ کو نبی کہا ہے، اسے کٹا ہوا سمجھ کر، وہاں لفظ محدث رکھ لیا جائے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ یہ صرف لغوی معنے میں ہے۔ اس لئے عام بول چال میں آپ کو نبی نہ کہا جائے۔ کیونکہ اصطلاح اسلام کے معنے الگ ہیں۔ اور عام استعمال سے لوگوں کو غلطی لگ کر فتنہ پڑتا ہے۔ اور یہ بھی بتادیا کہ اس سے مراد صرف پیشگوئی کرنے والا ہے۔ حالانکہ انبیاء صرف پیشگوئیاں کرنے کے لئے نہیں آتے۔ جیسا کہ اوپر قرآن شریف سے دکھایا جا چکا ہے۔ آپ حضرت صاحب کے بعد بھی سلسلہ کے بڑے بڑے آدمیوں پر جب کبھی کسی نے یہ اعتراض کیا کہ تم لوگ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہو، تو یہی جواب یہ لوگ دیتے رہے، کہ ہم نبی صرف لغوی معنے کے لحاظ سے کہتے ہیں، ورنہ ہم آنحضرتؐ کے بعد کسی نبی کا آنا نہیں مانتے۔

محمد علی۔ احمدیہ بلڈنگس، لاہور۔ ۴ فروری ۱۹۲۹ء (پیغام صلح ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء) (فہرست مضامین)